ڈاکٹر غلام فریدہ
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر طاہر نواز
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، قراقرم انٹرنیشنل یونی ورسٹی، گلگت بلتستان

اردو ناول ''راجہ گدھ'' تذکیری مثالیت پسندی: تجزیاتی مطالعہ

ABSTRACT

Analytical Study of Novel "Raja Gidh" in the context of Masculine Idealism.

By Dr. Ghulam Farida, Assistant Professor, Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad.

Dr. Tahir Nawaz, Assistant Professor, Department of Urdu, Karakoram International University, Gilgit Baltistan.

The formation of literary characters in fiction reflects our social attitudes. Bano Qudsia's novel Raja Gidh has customization in that the author has presented most of the masculine characters. Qayyum is the narrator of the story. However, the author has described the character of Aftab as an ideal masculine character. The ideal masculine qualities in male characters must include bravery, excellent dialogue delivery, physical movements, control of emotions, and the presence of judgment. Apart from Aftab's character, the main characters of the novel lack these features. Later on Aftab, s character also becomes contradictory in this regard. This article examines all the main characters of the novel in the context of ideal masculinity and seeks to determine how the lack of these characteristics shakes the personality of these characters.

Keywords: Raja Gidh, Bano Qudsia, masculine idealism, Aftab, Qayyom, Professor Sohail, Judith Butler.

صنفی تقسیم سے مراد وہ توقعات، اور شخصی خصائص ہیں جن پر پورا اترنے کا مطالبہ معاشرے کے ہر اس فرد سے کیا جاتا ہے جو اس معاشرے کا حصہ ہے۔ جوڈتھ بٹلر نے اپنی تھیوری gender performativity میں اس نکتے کی وضاحت

کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے معاشرے کا صنفی تقسیم کا تصور معینہ ہے۔ یہ تصور کسی بھی صنف کے فطری رویوں کا مشاہدہ کرنے کی بجائے اُن بندھے ٹکے اصولوں اور قواعد کی بنیاد پر اس کا مطالعہ کرتا ہے جو عام طور پر اس صنف کے ساتھ منسوب کر دیے گئے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق مرد عورتوں کے مقابلے میں کم جذباتی ہوتے ہیں، اس کی وجہ ہمارے معاشرے کا یہ عمومی تصور ہے کہ مرد عورتوں کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مرد کردار کی شخصی خصوصیات اور اس کے ذہنی رویوں کی پیش کش میں مصنف اس بات کو مدنظر رکھتا ہے کہ معاشرہ اس کردار کی وضاحت کس طرح سے کرتا ہے۔ عام زندگی میں بھی مرد کردار اس مخصوص معاشرتی سوچ پر ردِ عمل کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں جو ان سے ایک مثالی آدمی بننے کی توقع رکھتی ہے۔

زیرِ نظر تحقیق میں بانو قدسیہ کے ناول ''راجہ گدھ'' کے مرد کرداروں کا مطالعہ مثالی تذکیریت کے تناظر میں کیا جائے گا۔ اس حوالے سے رابرٹ ووڈ (Robert Wood) کی تھیوری (How to write a damn good man) کے نکات پیش رکھے جائیں گے۔

رابرٹ ووڈ (Robert Wood) کا تعلق انگلینڈ کے قصبے دیوس بری (Dewsbury) سے ہے۔ انھوں نے انگریزی ادبی تھیوری میں ماسٹرز جبکہ انگریزی ادب اور تخلیقی ادب میں بیچلرز کر رکھا ہے۔ وہ ایک بلاگ مینجر اور ایک ادبی ادارے سٹینڈ آوٹ بکس کے ایڈیٹر بھی ہیں انھوں نے اپنے مضمون (How to write a damn good man) میں تذکیریت کی تھیوری پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے، جس کے چیدہ نکات میں صنفی کارکردگی، معتدل جذباتی رویہ، حقیقت پسندانہ سوچ، غیر متشدد رویہ، مردانہ مکالماتی انداز، پر اعتماد جسمانی حرکات، مردانہ وجاہت، قائدانہ صفات، جبریت، بہادری، تنہائی پسندی اور جسمانی طاقت وغیرہ شامل ہیں۔ (۱)

ناول میں مصنفہ نے دو طرح کے کرداروں کو متعارف کرایا ہے، ایک حقیقی کردار ہیں اور دوسرے علامتی کردار۔ علامتی کردار فیبل کرداروں کی صورت میں پیش ہوئے ہیں، جن کے توسط سے مصنفہ نے انسانی خصلتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صغیر احمد ناول کے کرداروں کی وضاحت اس طرح سے کرتے ہیں۔ ''راجہ گدھ'' ایک ایسا ناول ہے جس پر آج بھی بحث کے دروازے کھلے ہیں۔ اس میں جانوروں کے کرداروں کو انسان کی طرح پیش کیا گیا ہے، جو علامتی ہے۔ گدھ علامت ہے۔ انسان کے حرص و ہوس کا۔ گدھ مردہ کھاتا ہے اور انسان بھی حرام کی کمائی کھاتا ہے۔ (۲)

ناول کا اصل موضوع رزق حلال اور حرام کا تصور ہے۔ اس تصور کو مصنفہ نے دونوں طرح کے کرداروں (انسانوں اور جانوروں) کے ذریعے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں طرح کے کردار اپنی خصلتوں کے ذریعے سے کھائے ہوئے رزق کی از خود وضاحت کرتے نظر آتے ہیں۔ بانو قدسیہ نے ناول میں اس حقیقت کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ انسانی شخصیت اور اس کا کرداری سانچہ اس کے رزق کے ذرائع سے متشکل ہوتا ہے۔ جس قسم کے رزق سے اس کی پرورش

ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کی شخصیت میں مثبت اور منفی خصائل پیدا ہوتے ہیں۔ناول میں مصنفہ نے اپنی تمام تر توجہ مرد کرداروں کی تخلیق پر مرکوز رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ خواتین کے کرداروں میں سوائے سیمی شاہ کے باقی تمام کردار مبہم اور غیر واضح ہیں۔بقول ابو سعادت جلیلی:

> بانو قدسیہ نے مردوں کی دکھتی رگ پر ایسے ہاتھ رکھا ہے کہ تلملا کر رہ جائیں اور اُف بھی نہ کر سکیں۔۔۔مرد تخلیق کاروں کے بڑے بڑے ناولوں کے مرکزی کرداروں کی طرف اس مقصد سے اشارہ بہت کافی ہوگا۔۔۔فرق صرف یہ ہے کہ ناولسٹ حضرات اس کو راجہ اندر کا روپ دے کر ایک سخت پردہ پوش قسم کا کیموفلاج کر گزرتے ہیں۔۔۔اس راجہ گدھ کے اطراف بُنے ہوئے رومانی سحر کو انشائے رنگین کے نظر گیر اور نظر فریب جال کو توڑ کر اس کو پہلی بار اس طرح سے اس ناول میں ظاہر ہونے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔(۳)

ناول کے حقیقی کرداروں میں سب سے اہم کردار پروفیسر سہیل کا ہے۔پروفیسر سہیل ایک متعصب کردار ہے۔اس تعصب کی وجہ سے وہ شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نظر آتا ہے۔اسے اپنے اعصاب پر کنٹرول نہیں ہے اس لیے وہ خود پسندی کا دعوے دار بھی ہے،تاہم اس کا شخصی اعتماد اس کی شخصی کمزوریوں کے اعتراف میں مانع نہیں ہوتا۔تعصب اور خود پسندی اس کی شخصیت میں موجود دیگر مثالی مردانہ خصوصیات کو بھی دبا دیتا ہے۔بقول ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی '' سارے ناول میں پروفیسر سہیل ایک ایسا کردار ہے جو ایک حد تک علم کی کمی کا شکار ہوتے ہیں لیکن وہ ذہین ہوتے ہیں۔''(۴)

آفتاب کا کردار اس ناول کا حقیقی مثالی کردار ہے،جس کے ذریعے مصنفہ نے مثالی تذکیری صفات کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔وہ وجیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ با اعتماد اور با کردار بھی ہے۔اس کی قوت فیصلہ ناول کے باقی تمام مرد کرداروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مستحکم ہے۔اس کی شخصیت میں قائدانہ صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔وہ کالج میں یونین کا صدر بھی رہ چکا ہے۔تاہم یہ کردار کہیں بھی شخصی نرگسیت کا شکار نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ اس میں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔مثلاً جب وہ کہتا ہے۔''میں اگر خود پسندی اور فلموں کا شوقین نہ ہوتا تو شاید بی اے میں ٹاپ کرتا''(۵) تو یہاں وہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

آفتاب کی شخصیت میں دوسری قابل ذکر چیز اس کی متحمل مزاجی ہے۔وہ فوری جواب دینے کا عادی نہیں ہے،بلکہ پورے اطمینان اور توجہ سے مخاطب کی بات سنتا ہے،پھر دلائل پر غور کرتا ہے اور اس کے بعد مناسب الفاظ کا چناؤ کر کے جواب دیتا ہے۔اس کا یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ فضول گوئی سے اجتناب برتتا ہے،یہی وجہ ہے کہ وہ لمبی بحثوں سے جان چھڑا کر مختصر مگر جامع بات کرتا ہے۔

آفتاب کی شخصیت کا ایک اور مثالی تذکیری پہلو اس کا معتدل جذباتی رویہ ہے۔ وہ کسی بھی صورتحال یا شے سے ضرورت کے مطابق متاثر ہوتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس سے دستبردار ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اسی لیے اتنی وجیہہ شخصیت کا مالک ہونے کے باوجود وہ خود پسندی کا شکار نہیں ہے۔ یہی کرداری توازن اسے ہر طرح کے ڈر اور خوف سے بچائے رکھتا ہے۔ دوسری طرف اس کی شخصیت ہر قسم کے احساس کمتری سے پاک ہے، اسی لیے وہ گردوپیش کے لوگوں کی باتوں پر بہت کم توجہ دیتا ہے، اور اپنی فہم اور منطق کے مطابق رائے کا اظہار کرتا ہے۔

غالباً آفتاب کو اپنے آپ سے پیار نہیں تھا۔ بس اسے زندہ رہنے کی عادت تھی۔۔۔ اتنا پاس رہنے کے باوجود یہ اس کی سادگی تھی جس نے اسے یہ اندازہ ہی نہ لگانے دیا کہ میرے جذبات کیا ہیں؟ آفتاب کو میں نے کسی دن خود آگاہی میں مبتلا نہیں دیکھا۔۔۔ اس لیے وہ کھاتے وقت باتیں کرتے ہوئے چلتے وقت بیٹھے سے سوتے ہوئے کبھی اپنی ذات کی کڑکی میں گرفتار نظر نہیں آیا۔(۶)

مثالی تذکیریت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان صفات کا حامل کردار ہمیشہ اپنے گروپ میں ستائش کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آفتاب کا کردار اس خصوصیت پر بھی پورا اترتا نظر آتا ہے۔ پروفیسر سہیل کی کلاس میں جب سب طلبہ پاگل پن کی وجوہات بتا رہے ہوتے ہیں تو آفتاب سب سے آخر میں نہایت استدلالی انداز میں جواب دیتا ہے۔ جس پر پروفیسر سہیل نہ صرف اس کے جواب کو اہمیت دیتا ہے بلکہ بعد ازاں وہ اسی کے جواب سے اپنی بحث کے نتائج بھی اخذ کرتا ہے۔ آفتاب کا جواب اس قدر جامع ہوتا ہے کہ صرف اسی کے جواب پر پروفیسر سہیل کا ستائشی جملہ بھی سامنے آتا ہے، ''That's a point پروفیسر سہیل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔''(۷) آفتاب کی شخصیت کا ایک مثالی رویہ یہ بھی ہے کہ اس میں قائل کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اسی لیے پاگل پن کی وجوہات بیان کرتے ہوئے جب وہ اپنا ذاتی موقف پیش کرتا ہے تو پھر اس پر سب کو قائل بھی کر لیتا ہے۔

مانے نہ مانے کوئی۔۔۔ اصل پاگل پن کی صرف ایک وجہ ہے۔۔۔۔ صرف ایک
وجہ عشق لاحاصل۔۔۔ عشق لاحاصل۔۔۔ عشق لاحاصل۔۔۔
بھنگڑا ڈالنے کے انداز میں آفتاب کرسی پر چڑھ کر چلایا۔(۸)

اس کے پاس قائل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ دلائل سے بھی اپنی بات کو موثر بناتا ہے۔ چنانچہ پاگل پن کی وجوہات پیش کرتے ہوئے جب سیمی شاہ اسے للکارتی ہے تو وہ اپنے دفاع میں بہت سی مثالیں پیش کرتا ہے، جن میں میر تقی میر کا پاگل پن اور فرہاد کا پاگل پن شامل ہیں۔ آفتاب کے یہ جوابی دلائل درحقیقت اس کے شخصی اعتماد کو ظاہر کرتے ہیں جس کی بنا پر وہ پورے دعوے سے کہتا ہے کہ ''پروفیسر سہیل تو دیوانے پن کی ایک سائیڈ دکھا رہے ہیں۔ میں دوسری سائیڈ پیش کر رہا ہوں جہاں پہنچ کر دیوانہ پن مقدس ہو جاتا ہے۔''(۹) ناول میں آفتاب کا یہ دعویٰ محض دعویٰ نہیں رہتا بلکہ اختتام

پر آفتاب کا یہی عشق لاحاصل افراہیم کے پاگل پن کی وجہ بنتا ہے۔

آفتاب حقیقت پسندانہ سوچ کا مالک ہے۔اس لیے وہ زندگی کے حقائق سے مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔سیمی شاہ سے محبت کرنے کے باوجود جب وہ اپنے خاندان کی پسند کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے تو پھر وہ اس فیصلے کو دل سے بھی قبول کرتا ہے۔اس موقعے پر وہ سیمی سے بھی اسی سمجھداری کی توقع رکھتا ہےلیکن وہ آفتاب کو ہار جانے کے بعد اب زندگی میں کچھ اور کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ یہ آفتاب کی شخصیت کا مستحکم تذکیری رویہ ہے جو اسے کسی بھی طرح کے حالات میں مثبت سوچ کی طرف مائل رکھتا ہے۔آفتاب کی اسی سوچ سے اس کا نظریہ زندگی سامنے آتا ہے۔

زندگی سے موت تک کئی راستے ہیں۔جس راستے پر بھی جاؤ قیوم اس کی کچھ راحتیں ہوتی ہیں۔اس میں کچھ تکلیفیں پیش آتی ہیں۔کچھ اس راہ پر چلنے کے تمغے ہوتے ہیں۔کچھ قیمتیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔(۱۰)

یہ ایک مثالی آدمی کی صفت شمار ہوتی ہے کہ وہ حالات کے آگے مجبورِ محض بننے کی بجائے ڈٹ کر کھڑا رہنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔یہ حوصلہ آفتاب کو اسے اس کے سنِ شعور سے حاصل ہے۔ اس کی یہی شخصی خصوصیات اسے مثالی تذکیری صفات کا حامل ٹھہراتی ہیں۔تذکیریت کی رو سے ایک مثالی شخص جرات مندانہ سوچ کا مالک ہوتا ہے، اس لیے وہ نہ صرف مشکل حالات کا مقابلہ جوانمردی سے کرتا ہے بلکہ وہ دوسروں کی بھی بہتر رہنمائی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔آفتاب کے کردار میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ناول میں وہ قیوم کو محبت کی حقیقت اور معنویت بتاتے ہوئے اس کی رہنمائی اس طرح سے کرتا ہے۔

محبت چھلاوہ ہے قیوم۔۔۔اس کی اصل حقیقت بڑی مشکل سے سمجھ آتی ہے۔کچھ لوگ جو آپ سے اظہار محبت کرتے ہیں۔اتصال جسم کے خواہاں ہوتے ہیں۔کچھ لوگ آپ کی روح کے لیے تڑپتے ہیں۔۔۔محبت چھلاوہ ہے لاکھ روپ بدلتی ہے۔(۱۱)

آفتاب کے کردار میں مثالی تذکیری صفات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کردار میں سُقم تب نظر آتا ہے جب وہ ریاکاری کا شکار ہوجاتا ہے۔یہ بات اس کے کردار کی تمام خوبیوں کو ڈھیر کرنے کے لیے کافی ہے۔ناقدانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کردار میں جھول اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مصنفہ کہانی کو نیا موڑ دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ عائشہ اقبال اپنے مضمون ''ناول راجہ گدھ کا خلاصہ'' میں رقم طراز ہیں:

> آفتاب پاکستان کے سب سے بڑے قالین فروش کا اکلوتا بیٹا ہے۔اس کی منگنی اپنی ماموں زاد سے ہوچکی ہے۔شروع شروع میں اسے آئیڈیل شخصیت دکھایا گیا ہے مگر مصنفہ نے اس سے فلسفہ جھڑوانے کے چکر میں خود اس کی شخصیت کا کچرا کر ڈالا۔(۱۲)

قیوم کا کردار آفتاب کی خوبیوں کے آگے ہیچ نظر آتا ہے۔۔ ناول کا پورا بیانیہ قیوم کی زبانی ہم تک پہنچتا ہے۔اس کردار کی شخصیت میں نہ تو خود اعتمادی ہے اور نہ وہ کسی بھی صورتحال کا سامنا کرنے کی جرات رکھتا ہے اس لیے وہ ہر قسم کی صورتحال میں شب خون مارتا ہے۔انہی شخصی کمزوریوں کی وجہ سے وہ آفتاب سے حسد اور بغض رکھنے لگتا ہے۔اس حوالے سے صابر لودھی اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ'' بانو آپا کے شدید تفکر نے معاشرے کا وجود نوچنے والے راجہ گدھ کو تلاش کیا ہے۔جب تک یہ گدھ مردار کھاتا رہے گا بانو آپا کے کرداروں کی توڑ پھوڑ ہوتی رہے گی۔''(۱۳)

قیوم کا احساس کمتری چوں کہ خود ساختہ بھی ہے اس لیے وہ ناول میں باقی کرداروں کی صفات کے سامنے خود کو کمزور اور بے بس محسوس کرتا ہے۔اس بات کا اعتراف وہ خود اپنی زبانی اس طرح سے کرتا ہے۔

آفتاب جسم کے اعتبار سے بالکل یونانی تھا۔۔۔اگر وہ کلاس میں موجود نہ ہوتا تو شاید میرا چراغ سب سے روشن ہوتا۔ایک خاص قسم کا بغض، حسد اور اللہ واسطے کا بیر میرے دل میں اس کے خلاف پیدا ہوگیا۔(۱۴)

قیوم محض آفتاب کی شخصیت سے ہی حسد نہیں کرتا بلکہ وہ پروفیسر سہیل کی شخصیت سے بھی پہلی ہی ملاقات میں دب جاتا ہے اور حسد کرنے لگتا ہے۔یہ اس کی شخصیت کا ادھورا پن ہے جو اسے کسی بھی شخصیت کے بظاہر مکمل پن سے خائف کیے ہوئے ہے۔پروفیسر سہیل عام پروفیسروں سے بالکل مختلف اور جدید نظریات کا حامل استاد ہے جبکہ قیوم نے ماقبل ایسے اساتذہ سے پڑھ رکھا ہے جو رٹے رٹائے نوٹس سے پڑھاتے ہیں۔ان کے لیے اپنے طے شدہ نظریات میں ترمیم یا مداخلت کسی بھی صورت قابل برداشت نہیں ہوتی۔ایسی صورتحال میں قیوم اپنی علمیت یا اہلیت کو بڑھانے کی بجائے پروفیسر سہیل سے بھی خائف ہوجاتا ہے۔بقول پروفیسر نظیر صدیقی:

> قیوم کی زندگی بھی لاحاصلی کی ایک داستان ہے۔ویسے اس نے زندگی کا کوئی بڑا منصوبہ بنایا بھی نہیں تھا۔قیوم جیسے لوگ زندگی کسی بڑے منصوبے یا فلسفے کے مطابق بسر بھی نہیں کرتے۔ایسے لوگ عوام میں سے ہوتے ہیں اور انھیں عام آدمی ہونے یا کہلانے میں کسی قسم کا احساس کمتری بھی نہیں ہوتا۔قیوم بھی ایک عام آدمی ہے۔اتنا عام کہ ۵۶۴ صفحے کے اس ناول میں اس کی ظاہری شخصیت کی کوئی جھلک تک نہیں ملتی۔اس کے چہرے مہرے، ناک نقشے، رنگ اور لباس وغیرہ کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی گئی ہے۔وہ ایک بے چہرہ ہیرو ہے جو ہیرو سے زیادہ اینٹی ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۵)

ناول میں قیوم کے اساتذہ کا تعارف نہ صرف قیوم کی شخصیت میں موجود احساس کمتری کو سمجھنے میں معاون ٹھہرتا ہے بلکہ اسی حوالے سے اس کے دونوں اساتذہ کی شخصیات کو بھی سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔قیوم کا پہلا استاد ماسٹر غلام رسول ہے جو نہ

صرف اپنے نظریات میں یکسانیت کا شکار ہے بلکہ وہ اپنی رائے میں بھی اٹل ہے۔اس ضد اور ہٹ دھرمی نے اس کے شاگردوں کی شخصیت سازی کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے شاگرد مستقبل میں کسی بھی موقعے یا صورتحال میں تعمیری انداز اپنانے سے قاصر رہتے ہیں۔

ان کے تمام شاگرد ڈرپوک، گھُنے اور بزرگ دشمن تھے۔۔۔نکتہ چینی کرنے والے کو دلائل دے کر قائل کرنے کی ان میں صلاحیت نہ تھی۔ایسے میں ان کا وولیوم کنٹرول کھلتا جاتا اور وہ دلیل کی جگہ چنگھاڑ سے اگلے کو قائل کر لیتے۔(۱۶)

ماسٹر غلام رسول کے یہ شخصی رویے مثالی تذکیریت کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔قیوم کا دوسرا استاد بھی کم و بیش انھی شخصی رویوں کا حامل نظر آتا ہے۔ان دونوں اساتذہ نے قیوم کی شخصیت میں جس طرح کے ہٹ دھرمی اور بے عملی کے رویوں کو جنم دیا ہے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نا اہلی اور شدید قسم کے احساس کمتری میں بدل گئے ہیں۔اس کی شخصیت میں موجود عدم اعتماد اسے مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کا ہنر سکھانے کی بجائے، پسپائی کی طرف لے جاتا ہے۔اسی لیے جب پروفیسر سہیل کلاس کو کتابی علم سے قطع نظر غیر رسمی اسائنمنٹس بنانے کی ہدایات دیتا ہے تو قیوم قبل از وقت دل برداشتگی اور محرومی کے احساس سے دوچار نظر آتا ہے۔

کاش میں بھی سادہ سلیٹ ہوتا۔۔۔پچھلا لکھا ہوا مٹا سکتا اور پروفیسر سہیل کی دی ہوئی assignment کو اسی تازگی سے لکھ سکتا جس کی وہ ہم سے توقع رکھ رہے تھے۔حالانکہ ابھی میں نے مضمون نہیں لکھا تھا،لیکن ابھی سے انھیں مایوس کرنے کا دُکھ مجھے تھا۔(۱۷)

قیوم کا احساسِ شکست یہیں پر اختتام پذیر نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی صنف کے بعد سیمی شاہ کے سامنے بھی شکست خوردگی پر مجبور ہو جاتا ہے۔سیمی شاہ سے متاثر ہونے کی وجہ بھی قیوم کا احساس کمتری ہے۔جن لوگوں کو بھی وہ سماجی، معاشی، ذہانت اور طبعی حوالوں سے خود سے برتر سمجھتا ہے،ان سے تقابل کرنے لگتا ہے۔یوں اسے اپنے کلچر، خاندان، سماجی سٹیٹس اور شخصی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہونے لگتا ہے۔اس کا تعلق چوں کہ ایک چھوٹے سے محدود ثقافتی پس منظر سے ہے اس لیے لاہور جیسے بڑے شہر کی رنگا رنگ ثقافت میں اسے ہر جگہ اپنی عدم قبولیت کا احساس ہوتا ہے۔قیوم اس عدم قبولیت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتا ہے۔یہ قیوم کی شخصیت کا بدترین احساس شکست ہے جو اسے سیمی شاہ کی ایلیٹ کلاس کے طور اطوار اور تہذیب سے واقفیت دلانے کی بجائے اس کو پچھاڑ کر مات دینے کی ترغیب دیتا ہے۔

آفتاب کے حسن اور پروفیسر سہیل کے علم کے آگے گھٹنے ٹیکنے کے بعد میں نے تیسرا سجدہ سیمی شاہ کو کیا۔۔۔غالباً اس میں اس کلچر کی جیت تھی جو دیہاتی لوگوں کو میسر نہیں آتا۔(۱۸)

قیوم کا شخصی خوف اس پر اس قدر حاوی ہے کہ وہ اپنی قلبی کیفیات کا اظہار خود سے بھی کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔اس کی بجائے وہ خوش فہمیوں کے سہارے زندہ رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ سیمی اس کے بارے میں کسی

بھی قسم کی پسندیدگی کے جذبات نہیں رکھتی تاہم اسے یہ خوش فہمی ہے کہ سیمی اس کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔اسی لیے وہ کہتا ہے کہ ''میں سیمی کے رویّے سے کسی تشکیک کا شکار نہیں تھا۔میں تو الٹا اس نشاط کے سہارے زندہ تھا کہ جو کچھ مجھے کہنا ہے سیمی کا خاموش رویہ اس پر صاد ہے۔(۱۹)

قیوم اپنی کوئی شخصی رائے نہیں رکھتا بلکہ وہ دوسروں کی باتوں اور نظریات کے سہارے بحث کرنے کا عادی ہے۔اس لیے اس کی گفتگو سے حاصل شدہ نتائج غیر مدلل اور غیر حقیقی تصور ہوتے ہیں۔اس کی شخصیت میں کسی کو قائل کرنے کی صلاحیت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے جب وہ سیمی کے صدمے کو کم کرنے کے لیے اسے محبت کی حقیقت اور معنویت سمجھاتا ہے تو لاکھ کوشش کے باوجود وہ قائل نہیں ہوتی۔اس موقع پر سیمی کا جملہ قیوم کی اس کمزوری کو واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔

تم سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔۔۔تم بھی ایویں ہی ہو۔۔۔واہیات۔۔۔صرف کچے پکے فلاسفر۔بالکل ڈاکٹر سہیل کی کاربن کاپی۔

۔۔۔تم نے کبھی محبت کی ہو۔۔۔تو تمھیں پتا ہو آدمی کس کرب سے نکلتا ہے۔تم کو تو ہر وقت پڑھائی کی پڑی رہتی ہے۔۔۔اپنی تھیوریاں بنانے میں لگے رہتے ہو۔(۲۰)

قیوم کی تنگ نظری نے اس کی سوچوں کا دائرہ بھی محدود کر رکھا ہے کہ اسے مفاد پرستی اور انا کی تسکین کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔وہ ہر رشتے اور تعلق کو ہوس کی نظروں سے دیکھنے کا عادی ہے۔آفتاب سے اس کے مراسم، اس کی شادی سے لے کر الوداعی ملاقات تک کا تمام سفر دراصل سیمی کو پانے کی ہوس میں ہوتا ہے۔اس کے لیے صرف اس کی اپنی ذات معنی رکھتی ہے۔۔کلثوم میر اپنے ایک مضمون ''بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ کا جائزہ'' میں ناول کے مرد کرداروں کی نفسیات کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

مصنفہ نے ایک عورت ہوتے ہوئے مردوں کی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے۔اور انسان کو کرگس یعنی گدھ سے تشبیہ دی ہے۔کبھی کبھی انسان اپنے اندر گدھ کے اوصاف پیدا کر لیتا ہے۔جس طرح گدھ مردار (مرے ہوئے بےبس جانور) کو کھاتا ہے، نوچتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان اپنے سے کمزور انسانوں کی مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔اس لحاظ سے انسان زیادہ بڑا یعنی راجہ گدھ ہے۔یہ بہت کڑوی حقیقت ہے کہ اس ضمن میں مصنفہ کا اشارہ بالخصوص مرد ذات کی جانب ہے۔(۲۱)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس ناول کے تین اہم تذکیری کردار ہیں جو شروع سے آخر تک ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے میں معاون ٹھہرتے ہیں۔قیوم اس ناول کا راوی ہے، جس کی زبانی پوری کہانی بیان ہوتی ہے تاہم مصنفہ نے نظریہ

حلال وحرام کی وضاحت کے لیے آفتاب کے کردار کو مثالی تذکیری خصوصیات سے متصف کیا ہے۔ مثالی کرداروں کی ایک عمومی خامی یہ ہوتی ہے کہ وہ مصنف کی عطا کردہ خصوصیات کے پابند ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ کردار ان خصوصیات سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو مصنف کی نظریاتی حدود ان کے راستے کی رکاوٹ بنتی ہیں۔ یوں یہ کردار حقیقی سے زیادہ سٹیریو ٹائپ کردار وں کی ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ آفتاب کا کردار ایسا ہی مثالی تذکیری کردار ہے جو مصنفہ کے نظریاتی دائرے کے اندر مقید نظر آتا ہے۔ ناول کے آغاز میں یہ کردار کچھ مثالی تذکیری خصوصیات کا حامل نظر آتا ہے لیکن بعد میں اس کردار سے کچھ ایسے فیصلے سرزد ہو جاتے ہیں جو اس کی مثالیت پسندی پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

ناول کے دیگر مرد کرداروں میں بھی مثالی تذکیری صفات مفقود نظر آتی ہیں۔ یہ کردار ناول کی ابتدا میں کچھ ظاہری خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں۔ تاہم جوں جوں کہانی کھلتی ہے ان کرداروں کی شخصیت کا جھول سامنے آنے لگتا ہے۔ ایسے میں یہ کردار مثالی تذکیریت کے تمام پیمانوں کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کرداروں کا احساسِ کمتری انھیں زندگی میں کسی بھی قسم کے دانشورانہ فیصلے سے باز رکھتا ہے۔ لامحالہ ناول کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے ان تمام کرداروں میں مثالی تذکیری صفات مفقود نظر آتی ہیں۔

حواشی:

(۱) https://www.standoutbooks.com/writing-male-characters/، ۳/اگست ۲۰۲۱ء، بوقت ۱:۰۳ دوپہر

(۲) صغیر احمد، اردو ناول کا تنقیدی جائزہ ۱۹۸۰ء کے بعد، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۳۰

(۳) ابو سعادت جلیلی، راجہ گدھ ایک اہم ناول مشمولہ قومی زبان، مارچ ۲۰۰۹ء، جلد ۸۱، شمارہ ۳، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۴۰

(۴) فتح محمد، ایک دلیر خاتون مشمولہ راوی، جی سی یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۹۹

(۵) حسرت کاسگنجوی، راجہ گدھ: ایک تفصیلی جائزہ، مشمولہ ادب لطیف، جلد ۵۵، شمارہ ۱۲ (لاہور: مکتبہ جدید پریس، دسمبر ۱۹۹۰ء)، ص ۵۵۷

(۶) بانو قدسیہ، راجہ گدھ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۹

(۷) ایضاً، ص ۴۳

(۸) ایضاً، ص ۱۴

(۹) ایضاً، ص ۶۴

(۱۰) ایضاً، ص ۱۴

(۱۱) ایضاً، ص ۱۲

(۱۲) https://urdunotes.com/lesson/raja-gidh-summary-in-urdu/، بوقت ۱۲:۱۳، دوپہر، ۳۱/جولائی ۲۰۲۱ء

(۱۳) صابر لودھی، بانو آپا مشمولہ راوی (لاہور: جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۰۲۔ ۱۰۳
(۱۴) بانو قدسیہ، راجہ گدھ، محولہ بالا ص ۱۴
(۱۵) نظیر صدیقی، راجہ گدھ ایک نئی اخلاقیات کی طرف ایک دعوت مشمولہ نیرنگ خیال، جلد ۶۰، شمارہ ۶۷۸ (راولپنڈی: مئی ۱۹۸۴ء)، ص ۸۴
(۱۶) بانو قدسیہ، راجہ گدھ، محولہ بالا ص ۱۶
(۱۷) ایضاً، ص ۲۰
(۱۸) ایضاً، ص ۲۱
(۱۹) ایضاً، ص ۴۷
(۲۰) ایضاً، ص ۸۳
(۲۱) /https://www.humsub.com.pk/364292/kalsoom-mir-2، بوقت ۱:۰۸ دوپہر، ۳۱ جولائی ۲۰۲۱ء

مآخذ:

(۱) احمد، صغیر، اردو ناول کا تنقیدی جائزہ: ۱۹۸۰ء کے بعد، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء
(۲) قدسیہ، بانو، راجہ گدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

رسائل و جرائد

(۱) ادبِ لطیف، دسمبر ۱۹۹۰ء، جلد ۵۵، شمارہ ۱۲، مکتبہ جدید پریس، لاہور
(۲) راوی، جی سی یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۲ء
(۳) قومی زبان (ماہ نامہ)، مارچ ۲۰۰۹ء، جلد ۸۱، شمارہ ۳، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی
(۴) نیرنگ خیال، راولپنڈی، مئی ۱۹۸۴ء، جلد ۶۰، شمارہ ۶۷۸

ویب گاہ

(1) https://www.standoutbooks.com/writing-male-characters/
(2) https://urdunotes.com/lesson/raja-gidh-summary-in-urdu/
(3) https://www.humsub.com.pk/364292/kalsoom-mir-2/